☆ عطا اللہ عطا

سَنَدی مقالے کی داخلی اور خارجی ترتیب

Abstract

It is very important for a research scholar to understand the internal and external features of a dissertation that is to be presented for M Phil or PhD degree. The issue is discussed in this essay and the internal and external features of a good dissertation are discussed logically.

کسی بھی معیاری تحقیقی مقالے کا جائزہ لیں تو اس کے دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ایک اس کی خارجی ترتیب اور دوسرے داخلی ترتیب۔خارجی ترتیب میں مقالے کا سرورق' مقدمہ' ابواب' بندی' کتابیات' اشاریہ' ضمیمہ جات' کتابت اور املا کا معیار' رموز واوقاف' اسلوب' حوالہ جات اور عنوانات وغیرہ شامل ہیں جبکہ اس کی داخلی ترتیب میں دعویٰ (Thesis)' مفروضہ' استدلال' ابواب میں نامیاتی وحدت' مآخذ کا معیار' تبصرے اور اخذ نتائج وغیرہ شامل ہیں۔مختصراً یوں کہہ لیں کہ مقالے کا خارجی پہلو اس کا فنی اور تکنیکی پہلو ہے جبکہ اس کا داخلی پہلو اس کا فکری اور منطقی پہلو ہے۔ہوسکتا ہے کہ گہرائی میں جا کر خارجی اور داخلی پہلوؤں کی یہ تقسیم اتنی نمایاں نہ رہے لیکن فی الحال ایک اچھے اور معیاری تحقیقی مقالے کی خوبیوں کا احاطہ کرنے کیلئے اسی تقسیم سے آغاز کرتے ہیں۔

ظاہری طور پر ایک تحقیقی مقالے کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ابتدائی حصہ' جس میں مقالے کا عنوان' مقالہ نگار کا عنوان' نگران' ادارہ' اجازت نامے کا چٹھی نمبر فہرست موضوعات اور تمہید یا دیباچہ شامل ہوتے ہیں۔مرکزی حصہ جس میں موضوع کا تعارف موضوع کے متعلق بنیادی مباحث اور نتائج شامل ہوتے ہیں اور آخری حصہ جس میں ضمیمہ جات' اشاریے اور کتابیات وغیرہ شامل ہیں۔ایک معیاری تحقیقی مقالے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اس کا داخلی اور خارجی توازن بھی ہے۔خصوصاً ابواب کی طوالت کے سلسلے میں توازن کی بہت اہمیت ہے۔

مقالے کے فکری توازن کی بنیاد وہ سوال ہے جس پر تحقیق کی تمام عمارت کھڑی ہوتی ہے۔یہ سوال سکالر کی فکری رہنمائی کرتا ہے اور اس کی تحقیق کا بنیادی نقشہ مرتب کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔یہ سوال اس کے مقالے کو ایک منطقی اور نامیاتی وحدت دیتا ہے اور اس کے استدلال میں ایک ربط اور تسلسل پیدا کرتا ہے۔بنیادی تحقیقی سوال کا درست ادراک نہ ہو تو تحقیق کا عمل ایسا ہے جیسے کوئی راستہ بھٹکا ہوا مسافر کبھی کسی گلی میں جاتا ہے اور کبھی کوئی در کھٹکھٹاتا ہے۔اردو

☆ ریسرچ سکالر، پی ایچ ڈی / ریسرچ کوآرڈینیٹر، شعبہ اُردو منہاج یونیورسٹی لاہور۔

تحقیق کی بدقسمتی یہ ہے کہ اکثر اوقات بنیادی سوال کو نہ صرف نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ پورا مقالہ لکھنے اور اور سند حاصل کر لینے کے بعد بھی مصنف اور قاری دونوں تحقیق کے بنیادی سوال سے بے خبر رہتے ہیں۔ راقم کو کچھ عرصہ قبل ایم فل کے ایک مقالے کے حتمی امتحان میں بطور ممتحن شرکت کا اتفاق ہوا۔ طالبِ علم نے شاعری میں سماجی انصاف کے تصور کے حوالے سے کسی شاعر کا جائزہ لیا تھا۔ جب راقم نے سکالر سے پوچھا کہ سماجی انصاف سے اس کی مراد کیا ہے تو تمام مقالہ مکمل کر چکنے کے بعد بھی اسے قطعاً علم نہیں تھا کہ سماجی انصاف ہوتا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف ایک مثال نہیں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ محقق کو بالکل علم نہیں ہوتا کہ جسے وہ حل کرنے کے لیے اتنی جدو جہد کر رہا ہے وہ مسئلہ ہے کیا؟ خاص طور پر جب تحقیق کا موضوع کوئی شخصیت ہو، جس کے حالات وافکار کا احاطہ کرنا مقصود ہو، تو بنیادی سوال پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ تحقیق میں بنیادی سوال درحقیقت وہ نقطۂ آغاز ہے جو تحقیق کے تمام عمل کا جواز فراہم آپ کے اا ہم کرتا ہے۔ اگر ہم مقالے کے اختتام پر سکالر سے سوال کریں کہ اچھا آپ نے بہت محنت سے اور تمام اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے یہ مقالہ تکمیل تک پہنچا دیا، اب یہ بتائیں کہ آپ نے اس تمام مشقت کے بعد کیا ثابت کیا؟ تو سکالر کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ بتا سکے کہ اس کا بنیادی سوال کیا تھا، اس سوال کی اہمیت کیا تھی اور یہ کہ زیرِ نظر تحقیق کے نتیجے میں اس سوال کا کیا جواب سامنے آیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تحقیق کا بنیادی سوال پورے مقالے کی سمت متعین کرتا ہے۔ ڈاکٹر زینا اولیری نے اس سلسلے میں تحقیق میں بنیادی سوال کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے چار نکات پیش کیے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ایک اچھے طریقے سے ترتیب دیا ہوا تحقیقی سوال آپ کو اور آپ کے قارئین کو آپ کی تحقیق کے بارے میں بہت معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ ایک اچھا سوال آپ کے موضوع کا درست تعین کرے گا، آپ کی تحقیق کی بنیادی روح کا تعین کرے گا، آپ کے سوالات، کب؟ کیسے؟ کیوں اور کون وغیرہ کا تعین کرے گا اور خذ کردہ نتائج اور تصورات کے باہمی ربط اور رشتے کی طرف رہنمائی کرے گا۔ (اولیری: ۲۰۰۵: ۲۸)

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ عملی سطح پر بھی اگر تحقیق کا بنیادی سوال واضح ہو اور محقق اپنی منزل کے سلسلے میں کسی ابہام کا شکار نہ ہو تو بہت مدد مل سکتی ہے۔ دستیاب ذرائع میں سے اپنے کام مواد تلاش کرنا ہو یا نئے اعداد و شمار کا حصول مطلوب ہو، ایک اچھا تحقیقی سوال آپ کی تحقیق کو درست نقطے پر مرکوز کر کے بہت سی لاحاصل مشقت سے بچا سکتا ہے اور اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ کے مقالے میں فکری توازن پیدا کرتا ہے۔ یہی سوال جب اپنے منطقی انجام کے قریب جاتا ہے تو مقالے کے عنوان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مقالے کی ترتیب وتشکیل کے سلسلے میں عنوان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ عنوان درحقیقت بہت اختصار کے ساتھ مقالے کے بنیادی نقطہ نظر اور اس کی حدود کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالستار دلوی کی رائے میں ایک معیاری تحقیقی مقالے کے عنوان کی دو خوبیاں ہونا چاہئیں۔ اوّل یہ کہ وہ زیادہ سے زیادہ مختصر ہو اور دوم یہ کہ وہ مسئلے کو پوری طرح واضح کر دے۔ (مشمولہ ایم سلطانہ بخش: ۲۰۰۱: ۲۲۹)۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ اختصار اور

جامعیت عنوان کی بنیادی خصوصیات ہیں لیکن بدقسمتی سے مقالے کے عنوان کے سلسلے میں اردو تحقیق میں عام طور پر ایک عجیب تصور رائج ہے اور وہ یہ کہ سکالر سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے، یہاں تک کہ مقالے کا خاکہ ترتیب دینے سے بھی پہلے، اپنے تحقیقی مقالے کا حتمی عنوان مقرر کر لے۔اس کے ساتھ مذکورہ بالا مطالبہ بھی داغ دیا جاتا ہے کہ اسے مختصر اور جامع بھی بناؤ۔ چنانچہ اکثر عنوانات بڑی عجیب وغریب صورت اختیار کر لیتے ہیں۔میرے خیال میں یہ مناسب نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ سکالر ابتدا میں مقالے کا ایک عارضی عنوان مقرر کر لے اور پھر تحقیق کا آغاز کر دے۔ جب تحقیق اپنے منطقی نتائج تک پہنچے گی تو سکالر کے ذہن میں اپنے مقالے کا مناسب عنوان واضح ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مقالے کی تکمیل پر وہ ایک مختصر اور جامع عنوان تک پہنچ جائے گا جو تحقیق کے پورے عمل کی درست نمائندگی کرے گا۔ ابتدا میں عنوان کو حتمی شکل دینا اس اعتبار سے بھی نامناسب ہے کہ بعض اوقات سکالر اپنے ہی مقرر کیے ہوئے عنوان کا اسیر ہو جاتا ہے۔خصوصاً جب کسی موضوع کی تحدید کی جاتی ہے اسے کسی خاص دورانیے یا علاقے تک محدود کیا جاتا ہے تو سکالر عجیب طرح بے دست وپا ہو کر رہ جاتا ہے۔اگر سکالر کو ابتدا میں ایک عارضی حد بندی کر دی جائے اور بعد ازاں، تحقیق کی تکمیل کے بعد حتمی حد بندی کی جائے تو کام کا معیار کہیں بہتر ہوگا۔

عنوان کے ساتھ مقالے کی ظاہری صورت کے بارے میں بنیادی معلومات مثلاً مصنف کا نام' نگران' ادارہ وغیرہ ضروری ہیں' اس کے بعد اہم ترین مرحلہ ابواب بندی کا ہے۔ مقالے کی ابواب بندی میں جب تک منطقی ربط کا خیال نہ رکھا جائے اس وقت تک تحقیق میں نامیاتی تسلسل پیدا نہیں ہوتا۔حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ایک ماہر مقرر اپنے موضوع کو ابتدا میں کھولتا ہے اور آہستہ آہستہ اپنے مافی الضمیر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اسی طرح ایک تحقیقی مقالے میں بھی محقق کو ابتدا میں اپنے تحقیقی سوال کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا پس منظر پیش کرنا چاہیے۔ یہ پس منظر نہ صرف موضوع کا بہتر تعارف مہیا کرتا ہے بلکہ اس درست تناظر کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے جس میں اس سوال کو دیکھا جانا مقصود ہے۔اس کے بعد تمام ابواب کی ترتیب اس طرح ہونا ضروری ہے کہ ہر باب اپنے گزشتہ باب میں پیش کیے گئے فکری مباحث کی بنیاد پر استوار ہو اور درجہ بدرجہ مقالے کے منطقی نتیجے کی طرف بڑھتا جائے۔

ابواب کی فہرست کے سلسلے میں ایک معیاری مقالے کی خوبی یہ ہونی چاہئے کہ یہ فہرست نہ صرف مختلف ابواب کے عنوانات پر مشتمل ہو بلکہ ان ابواب کے ذیلی موضوعات کی تفصیل بھی پیش کرے۔ گویا سکالر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پورے مقالے کو ایک اکائی کے طور پر دیکھے اور تمام مباحث کا باہمی ربط تلاش کرے۔ یہ ربط سکالر کو مبہم ہونے سے بچائے گا جو ایک اچھے تحقیقی مقالے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ درحقیقت اس فہرست کو مقالے کا موضوعاتی اشاریہ ہونا چاہئے۔ جدید تحقیق میں اس کی بہت عمدہ مثال آسٹریلوی محقق زینا اولیری کی کتاب "The essential guide to doing research" ہے۔ یہ کتاب ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں تیرہ ابواب شامل ہیں۔ ان ابواب کے عنوانات کے تحت فہرست میں ذیلی عنوانات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ایک سو پچانوے (۱۹۵) ہے۔[۲] اس اعتبار سے اس کتاب کے تقریباً ہر صفحے کے بارے میں معلومات اس کی فہرست سے مل جاتی ہیں۔

فہرست ابواب کے بعد مقالے میں تمہید یا دیباچہ شامل کیا جاتا ہے۔ دیباچے میں عموماً مقالے کی ہیئت سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ مواد کے حصول اور معلومات کے ذرائع کی نشاندہی کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان افراد کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے مقالے کے مختلف مراحل میں مصنف کی مدد کی ہو۔ ایک معیاری تحقیقی مقالے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دیباچے میں اظہار تشکر کیلئے صرف انہی شخصیات کا انتخاب کیا جائے جنہوں نے واقعی کچھ مدد کی ہو۔ معلومات کے ذرائع کی نشاندہی کے ضمن میں ضروری ہے کہ ذرائع کی درست اور تفصیلی نشاندہی کی جائے۔ ڈاکٹر گیان چند نے ''تحقیق کا فن'' کے پیش لفظ میں اپنے مآخذ کی نشاندہی تفصیل سے کی ہے۔

مقالے کی ظاہری صورت یا ہیئت کے حوالے سے اس کا مرکزی حصہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ مختلف ابواب کی طوالت میں توازن ہونا چاہئے۔ اگر محقق کو یہ محسوس ہو کہ زیر نظر باب غیر ضروری طور پر طوالت کا شکار ہو رہا ہے تو اسے چاہیے کہ باب کو مزید تقسیم کر کے دو باب بنالے۔ لیکن اس سلسلے میں محقق کو خیال رکھنا چاہئے کہ اس عمل سے مختلف ابواب کا فکری آہنگ متاثر نہ ہو۔ مقالے کا آخری حصہ عموماً ضمیمہ جات اور کتابیات و مآخذ کی فہرستوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اچھے مقالہ نگار کو یہاں بھی احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ غیر ضروری طور پر فہرست میں اضافہ کرنے کی بجائے وہی کتابیات درج کی جائیں جن سے مقالے کی ترتیب و تشکیل میں مدد لی گئی ہو۔

مجموعی طور پر ایک معیاری تحقیقی مقالے کی ظاہری شکل وصورت یا اس کی ہیئت کا جائزہ لیں تو اسے شروع سے آخر تک کچھ متعینہ اصولوں کے مطابق مربوط اور متوازن ہونا چاہئے۔ مقالے کے اس ربط اور توازن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اظہار اور فکر کی ترسیل کو زیادہ سے زیادہ موثر بنایا جا سکے۔

داخلی یا فکری سطح پر ایک معیاری تحقیقی مقالے کی خصوصیات کا جائزہ لینے سے پہلے اگر ہم تحقیق کے مختلف مراحل اور ان مراحل کے محرکات کا تجزیہ کریں تو معیار خود بخود متعین ہوتا چلا جائے گا۔ اس ضمن میں زینا اولیری کا کام بہت عمدہ نوعیت کا ہے۔ انہوں نے تحقیقی عمل کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس کے مختلف مراحل کی وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: [۳]

۱۔ محقق نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے اس سے کتنا واقف ہے اور اس کا مطالعہ کتنا موثر ہے؟ مطالعہ جتنا موثر ہوگا مقالہ اتنا ہی معیاری ہوگا۔

۲۔ کیا محقق نے دستیاب مآخذ تک کماحقہ' رسائی حاصل کی ہے اور ان کا حوالہ دیا ہے؟ مقالے کا معیار مآخذ کی حیثیت اور استناد سے متعین ہوگا۔

۳۔ کون سے ذرائع تحقیق اختیار کئے گئے ہیں؟ موثر ذرائع تحقیق موثر اور مکمل تجزیے کی بنیاد ہیں۔

۴۔ کیا بنیادی سوال کا تعین کرتے ہوئے عارضی نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے؟ بنیادی سوال مقالے کا مرکز ومحور اور عارضی نقطہ نظر استدلال کا قطب نما ہوتا ہے۔

۵۔ کیا اپنے قائم کردہ نقطہ نظر کو موجود نظریات کی روشنی میں دیکھا گیا ہے؟

۶۔ نتائج کے حصول کے لیے کیا ترتیب قائم کی گئی ہے؟ استدلال کی نامیاتی وحدت قائم رکھنے کا کیا اہتمام کیا گیا ہے۔

۷۔ کیا مقالے کی تحریر کسی خاص نقطہ نظر کے تحت نظر آتی ہے؟ معیاری مقالے میں ہر جملے کا مقصد اپنے نقطہ نظر کی طرف بڑھنا ہونا چاہئے۔

۸۔ تحریر کا اسلوب اور لہجہ کیسا ہے؟ معیاری تحقیقی مقالے کا اسلوب سادہ اور غیر جذباتی ہونا چاہئے۔

ایک معیاری تحقیقی مقالے کی خصوصیات کے سلسلے میں سلوان بارنیٹ نے مقالے کی داخلی اور خارجی سطح پر دس ایسے سوالات مرتب کئے ہیں جو مقالے کی تکمیل کے بعد اس کے معیار کے تعین میں مدد دے سکتے ہیں۔ان میں سے کچھ سوالات تو زینا اولیری کے درج بالا نکات کے مطابق ہیں۔دیگر کچھ یوں ہیں۔

۱۔ کیا مقالے کا کوئی نقطہ نظر ہے؟ یا کوئی نقطہ نظر پیش کیا جا رہا ہے یا صرف دوسرے لوگوں کے خیالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ کیا مقالے میں بنیادی مسئلہ آغاز میں بیان کر دیا گیا ہے؟

۳۔ کیا عمومی باتوں کو شواہد سے ثابت کیا گیا ہے؟

۴۔ کیا اقتباسات درج کرنے سے پہلے ان کا مناسب تعارف کرایا گیا ہے؟

۵۔ کیا تمام طویل اقتباسات ضروری ہیں یا انہیں موثر طور پر مختصر کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ کیا اقتباسات پر تبصرہ کیا گیا ہے؟

۷۔ کیا تمام ماٰخذ کی نشاندہی کی گئی ہے؟

۸۔ کیا مقالے میں خیالات کا سلسلہ درجہ بدرجہ نتائج کی طرف بڑھتا ہے؟ کیا قاری ان خیالات کے ساتھ آسانی سے چل سکتا ہے؟[۴]

بات درحقیقت یہ ہے کہ تحقیقی مقالے کے معیار کا تعین کرنے کیلئے یہ تمام نکات ایک سوال کے گرد گھومتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ ہم تحقیق کیوں کرتے ہیں؟ اس کا سادہ ترین جواب یہ ہے کہ کوئی ایسی حقیقت ہمارے ذہن میں موجود ہوتی ہے۔جس کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں کہ یا تو یہ حقیقت ابھی تک پوشیدہ ہے اور اسے منظر عام پر لانا ضروری ہے اور یا ہمارے خیال میں غلط تعبیروں سے اس حقیقت کو مسخ کر دیا گیا ہے اور اس کی تصحیح لازم ہے۔ہر دو صورتوں میں ہم اپنے نقطہ نظر کا تعین کرتے ہوئے جائزہ لیتے ہیں کہ ماضی میں اس نقطہ نظر کے متعلق کیا کہا گیا ہے؟ یعنی اپنے نقطہ نظر کا پس منظری مطالعہ کرتے ہیں۔پھر ہم ٹھوس شواہد کی بنا پر اپنے نقطہ نظر کو مناسب ترین انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ہم دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا نقطہ نظر درست ہے۔اب اگر ہم ماضی میں پیش کئے گئے نظریات سے ناواقف ہیں تو ہوسکتا ہے کہ بنے بنائے راستوں پر جا نکلیں۔اس لئے موثر اور تفصیلی مطالعہ اور مقالے میں اس کا اظہار ضروری ہے۔اسی لئے اقتباسات تبصرے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر ہم اقتباسات پر تبصرہ نہ کریں تو ہمارا نقطہ نظر ثابت نہیں ہو پائے گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بتایا جائے

کہ جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے اس کا نقطہ نظر کیا تھا۔ چنانچہ شواہد کا حوالہ ضروری ہے۔

خارجی سطح پر مقالے کی مخصوص ترتیب دراصل نتائج کے حصول کیلئے بہتر طریقہ کار کا ذریعہ ہے۔ ابتداء سے اختتام تک یہ خاص ترتیب ہمیں اپنے دلائل کو بہتر اور منطقی انداز میں پیش کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت کیلئے دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ پہلی مثال کا تعلق افراد اور شخصیات پر تحقیق سے ہے۔ جب ہم کسی شاعر یا ادیب پر تحقیق کرتے ہیں تو عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اس کے حالات زندگی اور کلام کے نمونے پیش کر دینے کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ کسی بھی قدیم یا جدید دو کر کے شاعر یا ادیب پر تحقیق کا بنیادی مقصد ادبی تاریخ میں اس کے درجے کا تعین ہوتا ہے۔ چنانچہ محقق کے ذہن میں واضح طور پر یہ نقطہ نظر ہونا چاہئے کہ زیر تحقیق شاعر یا ادیب کا تاریخ میں کیا مقام ہے اور اپنے مخصوص میدان میں (اصناف ادب) اس نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دیا ہے جو منظر عام پر لانا ضروری ہے۔ اگر محقق ایسا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتا تو اس کا مقالہ ناقص ہے۔ اس لئے کہ اس نے یا تو مناسب تحقیق نہیں کی یا ایسی شخصیت کو تحقیق کیلئے منتخب کیا جو اس اعزاز کی مستحق نہیں تھی۔ ڈاکٹر گیان چند نے ایسے بہت سے موضوعات کی مثالیں دی ہیں۔ اب ہم ایک سوال سے مقالے تک کا سفر سمجھنے کے لیے ایک مثال کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ مقالے کی معیار تحقیق کی تفہیم کیلئے کوشش کی جا سکے۔

فرض کریں کہ میر حسؔن کا تذکرہ ''تذکرہ شعرائے اُردو'' دیکھتے ہوئے ایک محقق کی نظر جرأت کے اس شعر پر پڑتی ہے۔

ہر بن مو سے مرے شعلہ نمایاں کر دے
دل تو جلتا ہے پر اب سروِ چراغاں کر دے

محقق سوچتا ہے کہ جرأت کا یہ شعر تو داخلیت کی شاعری کا شاہکار ہے۔ تو وہ روایت جو میؔر کے حوالے سے آزاد نے ''آب حیات'' میں بیان کی ہے کہ میاں تم شاعری واعری کیا جانو' بس اپنی چوما چاٹی بیان کر دیا کرو'' تو کیا وہ روایت غلط ہے۔ یہاں سے اس تجسس کا آغاز ہوتا ہے جو مقالے کی بنیاد بنتا ہے۔ محقق مندرجہ ذیل کام کرتا ہے۔

الف۔ جرأت کے بارے میں دیگر محققین اور نقادوں کی آراء کا مطالعہ تاکہ یہ جان سکے کہ جرأت کی داخلیت پسندی پر کوئی آواز بلند ہوئی یا نہیں؟ اسے پتہ چلتا ہے کہ کوئی آواز نہیں۔

ب۔ محقق کلیات جرأت اٹھا کر داخلی اور خارجی رجحانات پر مبنی کلام کا جائزہ لیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ خارجی کلام کے ساتھ ساتھ داخلیت پر مبنی کلام بھی تقریباً اتنا ہی ہے اور زیادہ موثر ہے۔

یہاں محقق ایک نظریہ قائم کرتا ہے کہ اگر جرأت کے دور کے تناظر میں اس کے حالات زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو وہ داخلیت کا نمائندہ شاعر ہے۔

یہ ابتدائی یا عارضی نقطہ نظر ہے۔ اگر محقق اس نقطہ نظر کو مفروضہ بنا کر ایک تحقیقی مقالہ لکھنا چاہے تو مقالے کے تمام مراحل اس مفروضے میں موجود ہیں۔

مثلاً:

عنوان: جرأت داخلیت کا نمائندہ شاعر۔

مقصد: جرأت کے بارے میں غلط تنقیدی آراء کی تصحیح کیلئے تحقیق۔

سوال یا مفروضہ: درج بالا...... کیا واقعی ایسا ہے؟

ابواب: مفروضے پر غور کریں۔

ا۔ جرأت کا دور (لکھنؤ کا تہذیبی پس منظر)۔

۲۔ جرأت کے حالات (نابینا ہونے کا سانحہ)،

۳۔ جرأت کے بارے میں تذکرہ نگاروں اور نقادوں کے بیانات،

۴۔ کلام کا جائزہ،

۵۔ نتائج۔

اب محقق کا کام یہ ہے کہ وہ جرأت کے حالات زندگی کو اس کے تہذیبی تناظر میں رکھتے ہوئے اس کی ذہنی ساخت اور نفسیاتی مسائل کا تعین کرے۔ پھر اس کے کلام کو ان نفسیاتی اور معاشی مسائل کی روشنی میں پرکھ کر ماضی کے نقادوں کی آراء کو غلط ثابت کرے۔ یہی تحقیق ہے۔ بشرطیکہ شواہد قابل اعتبار ہوں۔ دلائل مضبوط ہوں اور نتائج کے پس منظر میں نامیاتی ربط نظر آئے۔

دوسری مثال کا تعلق ایک ایسے موضوع سے ہے جسے ڈاکٹر گیان چند نے خالص تنقیدی موضوع قرار دیا ہے۔[۵] موضوع ہے:

''اُردو کی نئی شاعری' ماحول' نفسیات اور فن کے آئینے میں''

ڈاکٹر گیان چند نے اس موضوع کا خاکہ مرتب کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

ا۔ مغرب میں ادبی تحریکیں۔

۲۔ ہم عصر مغربی سماج اور ادب۔

۳۔ نئی اُردو شاعری سے پہلے

(اُردو میں آزاد نظم، ترقی پسند شاعری میں نئے منتشر ذہن کی جھلکیاں)

۴۔ نئی شاعری کے ہراول

(حلقہ ارباب ذوق لاہور کے شعراء)

۵۔ ہندو پاکستان کا سماجی اور معاشی ماحول ۱۹۶۰ء کے بعد۔

۶۔ جدیدیت کیا ہے؟

فلسفیانہ پس منظر، ادبی تصور۔

۷۔ نئی اُردو شاعری کے موضوعات، نظم، اینٹی غزل۔

۸۔ نئی شاعری میں رمزیت اور ابہام۔

۹۔ نئی شاعری کی زبان اور فن۔

۱۰۔ اپنی ماقبل اور ماسوا شعری روایتوں کی طرف رویہ۔ ترقی پسندی اور جدیدیت۔ جدیدیت کے مجاہد اور معترض۔ نئی اُردو شاعری اور رسالے۔

۱۱۔ جدیدیت کی شاعری کا مستقبل روشن اور تاریک پہلو۔

یہ خاکہ یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اگر اس خاکے کے مطابق تحقیق کی جائے تو کیا ثابت ہوگا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر گیان چند کا مرتبہ اردو زبان میں اصولِ تحقیق کے حوالے سے بہت بلند ہے اور عرصۂ دراز سے ان کی کتاب سندی مقالہ جات کے لیے نصابی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے لیکن میرے خیال میں ان کا یہ مجوزہ خاکہ بہت مبہم اور بے سمت ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ خالص تنقیدی موضوع نہیں ہے بلکہ نئی شاعری کے نمونے اکٹھے کرنے کے لیے خاصی تحقیق کی ضرورت ہے۔ پھر یہ کہ ان تمام نمونوں کا تجزیہ کرنا بذاتِ خود صرف تنقید کے زمرے نہیں آتا، دوسرے یہ کہ خاکے سے ہرگز یہ واضح نہیں ہو رہا کہ سکالر چاہتا کیا ہے اور اگر یہی واضح نہیں ہوگا تو تحقیق کیسے ہوگی؟

موضوع پر ایک بار پھر غور کریں۔ موضوع یہ کہتا ہے کہ ہم اُردو کی نئی شاعری کا اس کے ماحول اور نفسیات اور فن کے آئینے میں' یعنی پس منظر میں' جائزہ لیں۔ یعنی چار سوال سامنے آ گئے۔

۱۔ اُردو کی نئی شاعری کیا ہے؟

۲۔ یہ شاعری کس ماحول میں ہوئی ؟

۳۔ اس ماحول نے شاعر کی نفسیات پر کیا اثرات مرتب کئے؟

۴۔ فنی سطح پر یہ شاعری پرانی شاعری سے کیسے مختلف ہے؟

اب ذرا غور کریں تو اس موضوع کے محقق کا دعویٰ یا عارضی نقطہ نظر کیا ہونا چاہئے ۔اس لئے کہ اس کے تحقیقی سفر کی سمت کا تعین یہ نقطہ نظر کرے گا۔

یہ دعویٰ کچھ یوں ہونا چاہئے کہ

مغربی اثرات کے تحت ہندوستان میں ہونے والی تہذیبی تبدیلیوں نے فرد اور معاشرے کی اجتماعی نفسیات پر ایسے اثرات مرتب کئے جن کے تحت فنی اور فکری سطح پر شاعری تبدیل ہوگئی۔

اب اس عارضی نقطہ نظر (Hypothesis) کو مدنظر رکھتے ہوئے ابواب بندی کریں۔ جو کچھ یوں ہوگی۔

۱۔ ہندوستان کی تہذیب پر مغربی اثرات۔

I - ۱۸۵۷ء۔(مقصدیت،عقلیت پسندی،افادیت (utilitarianism)

II - تعلیمی، سیاسی اور سماجی تبدیلیاں۔

III - رومانیت کا پس منظر۔

IV - ترقی پسند تحریک کا سیاسی اور نظریاتی پس منظر۔

V - تحریک پاکستان، تقسیم ہند۔ وغیرہ

۲۔ نئی شاعری آغاز اور ارتقاء۔

I - جدیدیت کیا ہے۔

II - نئے فکری رجحانات......حالی،اقبال وغیرہ۔

III - ترقی پسند تحریک۔

IV - حلقہ ارباب ذوق

V - نظم میں تبدیلیاں' آزادنظم' اینٹی غزل وغیرہ۔

۳۔نئی شاعری کے فکری رجحانات کا جائزہ۔

I - ترقی پسندی۔

II - داخلی حسن۔

III - مزاحمتی شاعری۔

IV - سیاسی شعور۔

V - بے معنوت......ظفر اقبال وغیرہ۔

۴۔نئی شاعری......فنی جائزہ۔

I - عروضی سطح پر۔

II - ہیئت کے تجربات' علم کلام۔

III - لسانی تجربات۔

IV - نئی اصناف۔

V - مجید امجد۔

۵۔اخذ نتائج۔

I - منتشر ذہن۔

II - جدیدیت کی مخالفت اور موافقت۔

III - نئی شاعری کا مستقبل۔

روشن اور تاریک پہلو وغیرہ۔

اگر مزید مطالعہ اور کوشش کی جائے تو یہ خاکہ مزید بہتر ہوسکتا ہے۔ فی الحال مقصود یہ ہے کہ ایک معیاری تحقیقی مقالہ لکھنے کیلئے ضروری ہے کہ محقق اچھی طرح جانتا ہو کہ وہ کیا جاننا چاہتا ہے۔ ورنہ وہ کچھ نہیں جان پائے گا۔ تحقیقی مقالے کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوسکتی ہے کہ وہ غیر واضح ہو۔ اسی لئے موضوع کا خاکہ

تیار کرتے ہوئے محقق کو چاہئے کہ مباحث کو ایک نامیاتی ارتقاء کے تحت مرتب کرے اور استدلال کی عمارت اس طرح تعمیر کرے کہ اہرام کی طرح اس کی بنیاد وسیع ہو لیکن اس کے نتائج ایک نقطے پر مرکوز ہو جائیں۔

ایک معیاری تحقیقی مقالے کی خصوصیات کا تعین کرتے ہوئے اس کا اسلوب اور زبان بہت اہم عناصر ہیں۔ اسلوب کی سادگی درحقیقت حقائق کے بیان سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلوب میں جامعیت اور اختصار ہونا بھی ضروری ہے۔ کسی مقالے کے غیر واضح ہونے کی جہاں اور بہت سی وجوہات ہوسکتی ہے وہاں اس کا اسلوب بھی اس کا ایک سبب ہے۔ الفاظ اور اصطلاحات کا انتخاب' جملوں کی طوالت' تعقید لفظی اور تعقید معنوی ایسے عوامل ہیں جو اسلوب کو غیر واضح اور الجھا ہوا بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر محققین نے مقالے کی زبان اور اسلوب پر توجہ دینے کی سفارش کی ہے۔

ڈاکٹر گیان چند کا ڈی۔لٹ کا مقالہ ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں' 'ایک معیاری تحقیقی مقالے کی عمدہ مثال ہے۔

یہ مقالہ انجمن ترقی اُردو ہند کے زیر اہتمام دہلی سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ مقالے کا آغاز مصنف کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

''ہر دور کا ادب کم و بیش اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جن اصناف سخن کو سراسر روایتی سمجھا جاتا ہے' ان میں بھی روح عصر کے دھندلے نقوش بکھرے ہوتے ہیں۔ یہ نقوش داخلی شاعری کی نسبت بیانیہ شاعری میں وافر بھی ہوتے ہیں اور روشن بھی اُردو میں بیانیہ شاعری کی معراج مثنوی ہے۔''[۶]

یعنی اس مقالے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ شمالی ہند کی مثنوی کا تہذیبی منظر دیکھتے ہوئے روح عصر کے نقوش کے حوالے سے اس کی اہمیت واضح کی جائے۔ مقالے کو مجموعی طور پر گیارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو دو جلدوں کی صورت میں شائع ہوئے۔ پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ اُردو مثنوی کا سیاسی اور سماجی پس منظر۔

۲۔ صنف مثنوی: مثنوی دوسری زبانوں میں' مثنوی کے اوزان' مثنوی کے اصول نقد۔

۳۔ اُردو مثنوی کا موضوع۔

۴۔ اُردو مثنوی کا ارتقاء۔

۵۔ شمالی ہند کے ابتدائی مثنوی نگار (افضل سے محمد فقیہ دردمند تک)۔

۶۔ میر و مرزا کا دور۔

۷۔ میر حسن اور ان کے معاصرین۔

دوسری جلد کے ابواب

۸۔ نسیم اور ان کے معاصرین۔

۹۔ واجد علی شاہ کا دور۔

۱۰۔ قدیم رنگ مثنوی کا آخری دور۔

۱۱۔ جدید مثنوی (محمد حسین آزاد سے جان نثار اختر تک)

ابواب کی اس تقسیم کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر دور کی مثنوی کو اس کے تہذیبی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور مستقبل میں اس کے ارتقاء کے امکانات کو واضح کیا گیا ہے۔ اپنی تاریخی ترتیب کے باعث مقالے میں ایک نامیاتی ربط نظر آتا ہے۔ تحقیق کا معیار نہایت عمدہ ہے۔ شعراء کے کلام سے مثالیں منتخب کرتے ہوئے موضوع کے تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ مجموعی طور پر مقالے کا اسلوب بہت عمدہ اور صاف ہے۔ بے جا طوالت سے اجتناب کیا گیا ہے اور اخذ نتائج میں عمدہ استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ مقالہ ایک معیاری تحقیقی مقالے کی عمدہ مثال ہے۔

حوالہ حواشی:

[۱] ڈاکٹر عبدالستار دلوی: (2001) ''مقالہ کی پیش کش''، مشمولہ: ''اُردو میں اصول تحقیق''، جلد اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم،

[2] Zena, O'leary:(2005) "The Essential Guide to doing Research", Lahore, Pak Book Corporation.

[3] Zena O'leary, Page 67

[4] Sylvan Barnet: "A Short Guide to Writing About Literature", New York, H.P.College Publishers, 7th Ed., Page 347

[۵] ڈاکٹر گیان چند: (2002) ''تحقیق کا فن''، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، اسلام آباد۔